☆ آغازِ سفرِ ہجرت: مکہ سے غارِ ثور کی جانب ۲۷ صفر ۱۳ نبوی ۶۳۲ء ☆

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را.....

مسلمانوں پر مغربی تہذیب کا اثر

ڈاکٹر جمیل واسطی

(۱۹۳۴ء میں لکھا گیا ایک مقالہ جس پر ۱۹۷۰ء میں نظر ثانی کی گئی)

اس مضمون میں میرا مقصد ان اثرات کی تشریح ہے جو یورپ کے سیاسی غلبہ کی وجہ سے اسلامی دنیا میں رونما پذیر ہوئے۔

اسلامی دنیا ساتویں صدی سے پندرھویں صدی تک یورپ کے خلاف کامیاب اور فتح مند رہی لیکن اس کے بعد یورپ میں اسلامی سائنس، تجارت اور صنعت کی نشوونما سے وہ طاقتیں پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے یورپ کو پہلے تو کامیاب مقابلہ کے لئے تیار کیا اور پھر اس کو تمام اسلامی دنیا پر غالب کر دیا۔

اسلام کی موجودہ نسل یورپ سے سیاسی طور پر مغلوب ہو چکی ہے اور اپنی تاریخ کو جانتے ہوئے دنیا میں یورپ کی برابری کی خواہش مند ہے۔

اس خیال سے کہ اگر یورپ اور اسلام کے تمام فرق دور ہو جائیں تو یورپ اور اسلام برابر ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کی موجودہ نسل اپنی عقل کے مطابق یورپ کی مکمل نقل میں فلاح ونجات ڈھونڈھتی ہے اور یورپ کی طرز حیات کے ہر قسم کے اختلاف کو گھبراہٹ سے دیکھتی ہے۔ یہ طرز خیال مسلمانوں کی تاریخی سیاسی ہزیمتوں کا نتیجہ ہے اور اسلامی روایات پر سب سے بڑے صدمے اسی طرز خیال کا کرشمہ ہیں۔

دنیائے اسلام کی شکست اور یورپ کی فتح کی اصل وجہ یہ تھی کہ یورپ نے اسلامی دنیا سے سائنس کے حصول کے بعد سائنس اور مشینی صنعت کی ترقی اور اقتصادی تنظیم میں (جنہیں صلح وجنگ میں قوموں اور ملکوں کے ''عناصر قوت،، خیال کرنا چاہئے) اسلامی دنیا کے مقابلہ میں زبردست برتری اور فوقیت حاصل کر لی اور جب یورپ کی اقوام نے ان طاقتوں کو صلح وجنگ کے مقاصد کے لئے مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا تو یورپ کی فتح اور اسلامی دنیا کی شکست اس کا لازمی نتیجہ تھی۔

انسانی تاریخ وسیاست قوتوں کا مقابلہ ہے۔ قوت کو قائم رکھنا جہد البقاء کی شرط اولین ہے۔ جب ایک قوم دوسری کے مقابلہ میں زیادہ قوت حاصل کر لیتی ہے، وہ دوسری قوم پر غالب آ جاتی ہے۔ اس موقع پر اسلامی فلسفیوں کا یہ فرض تھا کہ وہ دنیائے اسلام کو ان ''عناصر قوت،، سے آگاہ کرتے رہتے جن کا یورپ میں ارتقا اسلام کی سیاسی ہزیمت کا باعث تھا اور دنیائے اسلام کو علوم فطرت اور صنعت کی ترقی اور

اقتصادیات کی تنظیم کی ضرورت کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ ان کا یہ فرض تھا کہ ان شعبوں میں غیر اسلامی دنیا کی مقابلتاً ترقی کے مستقبل وسیاسی نتائج کا خوف دلا کر اسلامی دنیا کو غیر اسلامی دنیا کے برابر قوی اور مضبوط رکھتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔

موجودہ تنزل کے زمانے میں اسلامی خیالات میں ایک پریشانی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ تہذیب وسلطنت کی ایک عظیم الشان روایت کی شکست اور ان کروڑوں انسانوں کی تلخ کش مکش اور بتدریج غلامی ہے جو ہزار سال سے آزاد اور دنیا کے حاکم چلے آئے تھے۔

یورپ کے مقابلہ میں دنیائے اسلام کی عناصر قوت میں کمزوری اسلامی ہزیمت کی وجہ تھی اور یورپ کے مقابلہ میں عناصر قوت کو مضبوط وقوی تر کرنے سے اسلامی دنیا اس ہزیمت کے سیلاب کو روک سکتی تھی اور اپنے عہد زریں کی یاد تازہ رکھ سکتی تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس تنزل کے زمانے میں ایسے فلسفی پیدا نہ ہوئے جو تہذیب کی درست تشریح پیش کر سکتے۔ بجائے اس کے کہ وہ پندرھویں سے سترھویں صدی تک کی تاریخ میں ان نئی پیدا شدہ طاقتوں کی تلاش کرتے، جو ہماری ہزیمتوں کے دور کو شروع کرنے میں کامیاب ہو رہی تھیں۔ اسلامی فلسفی اصلی عناصر قوت پر انگلی نہ رکھ سکے اور انہوں نے تمدن کے دوسرے عناصر کو عناصر قوت سمجھا اور ظاہر کیا اور تاریخ کو نظر انداز کر کے صرف موجودہ نسلوں کے سطحی مقابلہ سے قومی اصلاح کے اصول اخذ کئے۔ اس طرح انہوں نے اس پریشانی اور روایات کی شکست کے دور کا آغاز کیا جو ابھی ختم نہیں ہوا۔

وہ فلسفی جو مذہب کو ہی عناصر قوت خیال کرتے تھے، دنیا کی اقوام کی بلندی اور پستی کو ان کے مذہب کی بلندی اور پستی کے سوا کسی اور چیز سے متعلق نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے دنیائے اسلام کی شکست کو اسلام ہی کی کمزوریوں پر محمول کیا اور تہذیب کی تشریح میں غلطی کر کے دنیوی قوت کے درست عناصر کو بالکل نظر انداز کر کے صرف مذہب ہی کو اسلامی دنیا کی شکست کا مجرم قرار دیا۔ ہم ان فلسفیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

اول وہ جنہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اسلام کی ہزیمت کا باعث یہ ہے کہ اسلامی الہام پرانا ہو چکا ہے اور اسلام مذہبی ارتقاء کی پچھلی کڑی ہے اور جس طرح اسلام نے، پہلے الہامات کو منسوخ کر دیا اسی طرح اصول ارتقاء کا یہ تقاضا ہے کہ نئے الہام جو بدلتے ہوئے زمانے کے زیادہ مطابق ہوں مذہب انسانی کو اسلام سے ایک دو قدم اور آگے لے جائیں۔ ان فلسفیوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا اور اسلام کا آخری مذہب ہونے کا دعوی کرنا فطرت کے دائمی اصول ارتقاء کے خلاف ہے، جس کا لازمی نتیجہ مسلمانوں کے جمود اور دنیائے اسلام کی سیاسی شکست میں ظاہر ہوا۔ اس نئے الہام کی ضرورت

کو ایران میں باب اور بہاء اللہ نے ظاہر اور پورا کیا۔ دونوں فلسفیوں نے اسی فلسفہ ارتقاء کے ماتحت اپنے آپ کو نئے ملہموں کی صورت میں پیش کیا اور اپنی گفتار اور اپنے عقائد کو خدا کے تازہ ترین الہامات ظاہر کیا۔

ان فلسفیوں نے تہذیب کی غلط تشریح کی اور دنیائے اسلام کی دنیوی شکست کو دنیوی قوت کے عناصر کی کمزوری پر محمول کرنے کے بجائے مذہب اسلام کو اسلامی دنیا کی شکست کا ملزم ٹھہرایا۔ ان فلسفیوں کی قوت تشریح کی کمزوری اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اصول ارتقاء کو ہر شعبہ حیات پر بلا تمیز و تفریق منضبط کرنے کے مغربی فیشن کی غلامانہ نقل کی۔ ارتقاء کا اصول باوجود قریبا ہمہ گیر ہونے کے اپنی حدود رکھتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ حسن کے شاہکار آفرین فنکار کے بعد فن کی روایت ترقی کی بجائے تنزلی کی جانب مائل ہو۔ لہذا ہر ارتقائی اقدام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ترقی کی جانب ہو۔

نیز اخلاقی اور روحانی صداقتوں کے تفحص میں ایک ایسی منزل آجاتی ہے جس سے آگے ترقی ناممکن یا تنزل کے مترادف ہوتی ہے۔ خدا ایک ہے۔ تمام انسانوں کو برابر اور بھائی سمجھنا چاہئے۔ سچ، جھوٹ سے بہتر ہوتا ہے۔ جنسی معاملات میں وفاداری، بے وفائی اور منافقت سے بہتر ہوتی ہے۔ چوری نہیں کرنی چاہئے۔ قتل نہیں کرنا چاہئے۔ غداری اچھی نہیں ہوتی۔ خیرات کرنی چاہئے۔ غرض اس قسم کے کئی زرین اصول ایسے ہیں، جن تک پہنچنے کے لئے انسان جادۂ ارتقاء سے ضرور گذرا ہے لیکن جن تک پہنچ کر آگے ارتقاء ناممکن ہو جاتا ہے اور ارتقاء کی کوشش محض اخلاقی تجربہ کی ان منازل کی جانب رجوع کے مترادف ہے، جنہیں نسل انسانی بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ اسلام انہی اخلاقی اور روحانی اصولوں کا آخری بیان ہے، جن میں ارتقاء کے بہانے تغیر کی کوشش نسل انسانی کو اخلاقی اور روحانی تنزل کی جانب لے جائے گی اور جو اصول ایک دفعہ بیان ہو کر دائمی سچائیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسرے وہ مذہبی فلسفی ہیں جو اسلامی دنیا کی ہزیمت سے بہت متاثر ہوتے ہیں یہ فلسفی بھی پہلے فرقہ کے فلسفیوں کی طرح مذہب اور دنیوی عناصر قوت میں تمیز نہیں کر سکتے اور عناصر قوت کی کمزوری کے لازمی نتیجہ یعنی دنیوی ہزیمت کو مذہب اسلام کی کمزوری کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ یہ فلسفی اس بات سے بھی بہت متاثر ہوتے ہیں کہ تمام دنیائے اسلام کو محکوم و مغلوب کرنے والی یورپی اقوام عیسائی ہیں۔ اگر عیسائیت قوت میں سے ہے تو ان مذہبی فلاسفر کے نزدیک اسلام کی سب سے بڑی کمی عیسائیت کے عنصر اعظم یعنی عیسی ابن مریم کی طرف توجہ کی کمی ہے۔ اگر اسلام کے اندر ہی عیسی ابن مریم دوبارہ زندہ ہو سکیں تو اسلام کی یہ کمی پوری ہو جائے گی اور اسلام عیسی کی کمی کو پورا کر کے پھر ترقی کے راستہ پر چل سکے گا۔ اس لئے اسلام میں عیسی کی دوبارہ آمد کے جواز پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ فلسفی اپنے آپ کو اس مقدس

حیثیت سے پیش کر کے امید کرتے ہیں کہ اب اسلام دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ مذہبی فلسفی جن کی تحت الشعوری کیفیت پہلے بیان کی گئی ہے تہذیب کی درست تشریح کر سکتے تو دنیائے اسلام کے عناصر قوت کی کمزوری کے لازمی نتیجہ یعنی ہزیمت کو مذہب اسلام کی عدم تکمیل پر محمول نہ کرتے اور اگر یہ مذہبی فلسفی اسلامی دنیا کے تنزل کی درست تشریح کر سکتے اور نبوی قوت کی وجوہ کو دیگر عناصر تہذیب سے علیحدہ کر سکتے تو حکمران اقوام کے مذہب کی بنیاد یعنی عیسی کو اسلام میں دوبارہ زندہ کرنے کے بجائے صرف حکمران اقوام کے عناصر قوت کے مطالعہ اور حصول کی تلقین کرتے، جن کا مطالعہ اور حصول اور ترقی نے دنیوی طاقت مسلمانوں کے ہاتھ سے یورپ کے ہاتھوں میں منتقل کر دی تھی۔ لا نبی بعدی کے بعد اسلام کے اندر کوئی نبی خواہ وہ ظلی بروزی یا مجازی ہو۔ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ لا الہ الا اللہ کے بعد ظلی بروزی یا مجازی خدا۔ پیشین گوئیوں کے متعلق نہایت محتاط رہنا چاہئے۔ کیونکہ عام طور پر ان کے پیش کرنے والے ان کی تاویل کر کے ان سے نتائج اخذ کرتے ہیں اور پیشین گوئیوں کے پہلے حصوں کی تاویل کر کے عیسی ابن مریم کے ورود کی پیشین گوئی کو لفظی معنوں میں قبول کرتے ہیں حالانکہ تفسیر کے اصول کے مطابق یا سب حصص کے لفظی معانی لئے جائیں یا تاویلی اگر پہلے حصص کے تاویلی معانی لئے جائیں تو یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیشین گوئیوں میں ''عیسی ابن مریم،، کی بھی تاویل کی جائے۔ عیسی علیہ السلام کے نزول سے اسلامی دنیا میں عیسائی حکمرانوں اور عیسائی مشنریوں کا ورود مراد لی جا سکتی ہے یا ان مسلمانوں کی جانب اشارہ سمجھا جا سکتا ہے جو یورپ کے مقابلہ میں اسلامی دنیا کی شکست سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ ان کے دل میں مسیحی یورپ کی تقلید و پرستش کے جذبات موجزن ہیں۔ ہر حالت میں جب کہ پیشین گوئیوں کے باقی تمام الفاظ کی تاویل کی جاتی ہے تو محض عیسی ابن مریم کی تاویل نہ کرنا تفسیری ایمانداری نہیں ہو سکتی۔

جس طرح وہ مسلمان جو فطرتاً مذہبی واقع ہوئے ہیں لیکن تہذیب کی درست تشریح نہیں کر سکتے۔ وہ مذہب کو ہی عناصر قوت سمجھ کر دنیائے اسلام کی ہزیمت کو مذہب اسلام کی کمزوریوں پر محمول کریں گے اور مذہب اسلام کی تکمیل کے لئے غیر متعلق نسخے تجویز فرمائیں گے۔ اسی طرح وہ مسلمان جو فطرتاً ظاہر بین واقع ہوئے ہیں لیکن تہذیب کی درست تشریح نہیں کر سکتے۔ وہ عناصر ثقافت کو ہی قوت سمجھ کر دنیائے اسلام کی ہزیمت کو اسلام کی ''فرسودہ،، ثقافت پر محمول کریں گے اور وہ اسلامی عناصر ثقافت کو ترک کرنے اور یورپ کی حکمران اقوام کے عناصر ثقافت کے حصول میں ہی اسلامی دنیا کی ترقی کو ممکن سمجھیں گے۔

تمام دنیائے اسلام میں اسلام کی اعلی اخلاقی و ثقافتی اور معاشرتی روایات کو رد کرنے اور ان کے بجائے

یورپ کی معاشرتی اور ثقافتی روایات کو حاصل کرنے کا عمل اسی طرز خیال کا نتیجہ ہے۔ یہ عمل ترکی اور ایران میں حکمران کے تشدد سے قومی حیثیت اختیار کر چکا ہے لیکن حکومت کے تشدد سے پہلے بھی انفرادی طور پر دماغی غلامی اور تشریحی غلطی کے باعث شروع ہو چکا تھا اور اس وقت بھی عربی اور مشرقی اسلامی ممالک تہذیب کی غلط تشریح کے اثر کے ماتحت یورپ کی ثقافتی اور معاشرتی تقلید کی رو میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ بجائے اس کے کہ مسلمان یورپ سے صرف ان عناصر قوت کو حاصل کر لیں جن کے حصول سے اور جن کی ترقی سے یورپ نے دنیائے اسلام کو غلام بنالیا ہے[۲]۔ مسلمان تشریحی مغالطہ کے ماتحت یورپ کے عناصر ثقافت کو ہی عناصر قوت سمجھ کر حاصل کر رہے ہیں اور اسے خدمت اسلام تصور کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس نقل کی تحریک کے ماتحت مسلمان ہیٹ، سوٹ، شراب خوری، خنزیر خوری، بے پردگی، ناچنا، گانا، جنسی بے ضابطگیاں وغیرہ سب کو عناصر قوت سمجھ کر اسلامی ثقافت کا حصہ بنا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سب اشیاء یورپ کی اقوام کے مذہبی اور معاشرتی عناصر ہیں۔ ان کی دنیوی قوت اور سیاسی فتح کے باعث نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیائے اسلام کی بقاء کے لئے صنعتی ترقی اور اقتصادی تنظیم لازمی امور ہیں۔ ہم بہ حیثیت غریب گاہک یا متمول دکان دار اسلامی صنعت کی سرپرستی کر سکتے ہیں لیکن منظم مقابلہ کے سامنے کوشش اگر من حیث القوم ہو تو زیادہ بار آور ہوتی ہے اور صنعت اتنی پیچیدہ ہو گئی ہے کہ اس کے اعلیٰ ترین مدارج تک ہم صرف قومی کوشش سے ہی پہنچ سکتے ہیں۔

قومی کوشش چھوٹے پیمانے پر اشتراک سرمایہ، صنعتی درسگاہوں اور مشتریانہ سرپرستی کی صورت اختیار کر لے گی۔ لیکن ایک قوم اس وقت تک پوری صنعتی ترقی نہیں کر سکتی، جب تک کہ اس کا قومی جغرافیائی حدود اور ان حدود پر محاصل درآمد پر قبضہ نہ ہو۔ جب تک ایک قوم کی ابتدائی صنعت کو زبردست محاصل درآمد سے امداد نہ مل سکے گی، بیرونی ترقی یافتہ صنعت اس کو مقابلہ سے تباہ کر دے گی اور وہ قوم عناصر قوت سے محروم رہ کر مغلوب و محکوم ہو جائے گی۔ آئندہ دنیا کی سیاسی تاریخ، آزادی، غلامی اور سلطنت کے فیصلے انسانی تعداد سے زیادہ صنعتی ترقی پر مبنی ہوں گے۔ حکمران قوم محکوموں کی صنعتی ترقی کو تباہ کر دے گی اور صنعتی ترقی کو صرف اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش کرے گی۔ دشمنوں کی صنعتی ترقی کی بربادی جنگ میں بہترین ہتھیار ہوگا۔

افغانستان، ایران، ترکی، حجاز، اور مصر[۳] کو جغرافیائی حدود اور محاصل درآمد پر پورا قبضہ حاصل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان ممالک کے اکثر باشندے تہذیب کی غلط تشریح کے ماتحت لباس کے تغیرات اور یورپ کی غیر ضروری معاشرتی تقلید میں ہی عناصر قوت کے اسرار ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اسلامی ممالک کی قوت

مدافعت صرف ان کی صنعتی ترقی پر منحصر ہوگی نہ کہ لباس کے تغیرات اور یورپ کی معاشرتی تقلید پر۔ یورپ کے ثقافتی عناصر کے حصول سے یورپ کی اس دنیوی طاقت کا مقابلہ نہیں ہوسکتا جو یورپ کو صنعتی ترقی اور اقتصادی تنظیم سے حاصل ہے بلکہ یورپ کی معاشرتی زندگی کے عیوب یورپ کی خیرہ کن سیاست کی کامیابی کے پیچھے چھپ گئے ہیں اور یہ کامیابی یورپ کو صنعتی ترقی کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔

ہمیں ایمانداری سے اس امر کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہم عناصر قوت کے حصول وارتقاء میں یورپ سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ سمجھ لینا کہ ہم مذہبی ارتقاء کے متعلق گفتگو کرنے سے یا سوٹ ہیٹ پہننے یا ناچنے گانے سے یورپ کے برابر آجاتے ہیں، اس عظیم الشان صنعتی اور اقتصادی ترقی کا مذاق اڑانا ہے جس میں یورپ کو ہم پر وہ فوقیت حاصل ہے، جو یورپ کی عالمگیر فتح اور اسلامی دنیا کی ہمہ گیر شکست کا باعث ہوئی۔ اسلامی دنیا کی جہد للبقاء کے لئے سب سے بڑی ضرورت یورپ کی قوت کے اصلی عناصر یعنی صنعتی ترقی اور اقتصادی تنظیم کا حصول ہے جس کے لئے درست عناصر قوت کا احساس اور ان کے حصول کے لئے درست کوشش درکار ہے۔

حواشی

۱۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد اسلامی دنیا کا ایک حصہ سیاسی طور پر آزاد ہو چکا ہے۔ لیکن عناصر قوت کی کمزوری، اقتصادی پسماندگی، غیر مرکزیت، ذہنی انتشار اور زبردست اقوام کے خوف یا ان پر انحصار کی وجہ سے اکثر مسلمانوں میں وہ احساس کمتری موجود ہے جو یورپی ثقافت کی نقل میں مجلسی وقار کا متلاشی ہے اور اسلامی روایات کے کئی پہلوؤں کو پریشان کن سمجھتا ہے۔ (۱۹۷۰ء)

۲۔ آج کل ''بنالیا تھا،، زیادہ صحیح ہوگا۔ (۱۹۷۰ء)

۳۔ ۱۹۳۴ء میں جب یہ مقالہ پڑھا گیا، اس وقت یہی اسلامی ممالک آزاد کہے جاسکتے تھے۔ آج انڈونیشیا سے مراکش تک اسلامی ممالک سیاسی طور پر آزاد کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن چینی ''سنکیانگ،، میں مسلمان نوے فی صد ہیں مگر سیاسی اہمیت نہیں رکھتے۔ روسی ترکستان کے مسلمان روس کی سیاسی وثقافتی بالادستی سے لاچار ہیں۔ ان کے حالات کے لئے پڑھئے:۔

alexandre bennigsen and lemercier quelquejoy."islam in soviet russia" (pak mall press .london)